

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

ایمان ایک بیع یا معاہدہ ہے اللہ تعالیٰ سے۔ اس معاہدے کی بنیاد شعور و دلائل پر ہوتی ہے اور یہ کسی دباؤ کے بغیر آزاد مضمیر اور اختیار کے ساتھ استوار کیا جاتا ہے۔

ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت کے نتیجے میں آدمی رضا کارانہ طور پر کچھ چیزوں کو مسترد اور کچھ کو قبول کرتا ہے، کچھ کو اپنے لیے جائز اور حلال اور کچھ کو ناجائز اور حرام تسلیم کرتا ہے۔ کچھ امور کے لیے اس کی طبیعت میں رغبت اور کچھ کے لیے نفرت و کراہت کام کرنے لگتی ہے۔ بعض رابطوں کو وہ ناپسند کرتا ہے اور بعض کو پسند۔ اس کے ذہن میں ایک نیا نقطہ نظر (OUTLOOK) اور ایک پیمانہ اقدار کام کرنے لگتا ہے۔ اس کے ضمیر میں قوت اور

بیداری پیدا ہوتی ہے اور ہر وہ چیز جو ایمان کے خلاف ہو اس پر وہ ٹوکنے لگتا ہے۔

مختلف نظریات، تحریکیں، نظام، شخصیتیں اور کردار اس کے سامنے آتے ہیں اور اس کا ایمانی شعور اسے احساس دلا دیتا ہے کہ تم کدھر کتنا جھکاؤ اختیار کر سکتے ہو اور کدھر نہیں۔ خواہشوں، جذباتوں، مفاد، لذتوں، ذمہ داریوں کا بھی هجوم آدمی کو گھیرے رہتا ہے اس میں بھی ایمانی شعور راور اس سے وابستہ ضابطہ قرآن و سنت، ہی رہنمائی دیتا ہے کہ کس چیز کو کس حالات میں کتنی وقعت دی جاسکتی ہے۔ ایمان ایک مسلسل جنگ کا محرک ہے جو ایک طرف اپنے نفس کے خلاف، دوسری طرف ناسازگار ماحول کے خلاف، تیسری طرف اس ایمان سے ٹکرانے والے نظریات و افکار کے خلاف جاری رکھنی ہوتی ہے۔ ایمان ہی کی قوت پر اس کا دار و مدار ہے

کہ یہ جنگ جاری ہے، پُر جوش طریق سے اقدام ہو، جو زخم اور نقصانات پیش آئیں، حوصلے سے برداشت کیے جائیں، اور پسپائی۔۔۔ خواہ چوٹی کی رفتار سے ہو۔۔۔ کسی حال میں قبول نہ کی جائے، اور اس جنگ کے لیے زیادہ سے زیادہ سپاہ اور زیادہ سے زیادہ وسائل اکٹھے کرنے کی ہم ساتھ ساتھ جاری رہے۔ یعنی ایمان کو انجیل کی اصطلاح میں ایک ایسا تخمیر ہونا چاہیے کہ جو جہاں جہاں تک اثر کرے تخمیر بنانا چلا جائے۔

ایمان اگر شعوری اور جاندار ہو تو اس کے ساتھ لازمی طور پر ایک درخشاں کردار نشوونما پاتا ہے۔ کردار بمعنی اخلاقی تصور کے، اور کردار بمعنی ایک مستقل مجموعی رویے کے بھی۔ یہ عمل بھی وضاحت کا رازِ عمل ہے کہ سوچنے سے بے گرفتار و گرفتار اور مجموعی کردار تک، ہر چیز میں آدمی اپنے آپ پر پابندی عاید کر لے کہ اُسے بعض چیزوں کو کبھی اختیار نہیں کرنا ہے اور اسی طرح یہ التزام کر لے کہ فلاں فلاں ہدایات کے مطابق اپنے آپ کو چلانا ہے۔ مثلاً آپ نے طے کر لیا کہ مجھے تمام عمر جھوٹ یا وعدہ خلافی سے پرہیز کرنا ہے، مجھے حسبِ مقدرتِ خدا کی راہ میں انفاق کرنا ہے، مجھے خدا کے بندوں سے محبت کرتے ہوئے اُن کی خدمت کرنی ہے، مجھے کبر، ریا اور نمائش اور شہرت کے پسکوں سے بچنا ہے، مجھے صاف صاف طریق سے حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دینا ہے، مجھے منظم زندگی گزارنی ہے، مجھے جماعت کا ساتھ دینا ہے، مجھے سمع و طاعت کا حق ادا کرنا ہے، مجھے خدا و رسولؐ اور دینِ برحق کے علاوہ ہر مسلمان کی، جماعت کی اور جماعت کے اکابر کی خیر خواہی کے تقاضے بھی پورے کرنے ہیں۔ مجھے غیبت اور بخوبی سے بچنا ہے، مجھے راز دارئی مجالس کا پاس کرنا ہے، مجھے لوگوں کے درمیان غلط فہمیاں اور شکر رنجیاں پیدا کرنے کے بجائے اُن میں صلح و سازگاری کو بڑھانا ہے، مجھے اپنے سے بڑوں کی تعظیم کرنی ہے اور چھوٹوں اور کمزوروں کے لیے شفقت کا طرزِ عمل اختیار کرنا ہے، مجھے جتنا بندیاں ہیں پیدا کرنی ہیں، مجھے کسی دوسرے کو کہنی نہیں ماری ہے اور کسی کی ٹانگ نہیں کھینچنی ہے اور اگر کوئی شخص یا گروہ اجتماعیت سے ناجائز ذاتی فائدہ اٹھائے تو اسے جرات سے ٹوک

دینا ہے۔

ایمان والے آدمی کی اولین و آخرین ترجیح اپنے مقررہ نصب العین کی خدمت ہے۔ اس سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس نصب العین سے محبت کرنے اور اس کی خدمت کے دلدادگان کو مغالطہ دے کر ذاتی مفاد حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا، وہ تحریک اقامت دین کے شجرہ طیبہ پر نفسانیت کی بیل کو نہیں پھیلنے دے گا، وہ دین کی خدمت کی آڑ میں دنیا نہیں بنائے گا۔

ایمان والوں کا کام لہو و لعب سے دور رہنا ہے۔ ان کو نہ صرف رقص و سرود و اورشتی سے اور مخلوط تقارب اور بے پردگی و بے حیائی کے تمام مظاہر سے گریز کرنا ہے۔ اور ان کے خلاف معاشرے میں محاذ پیدا کرنا ہے، بلکہ ہر وہ چیز جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہو، اس کا ترک ہی نہیں کرنا، اسے قابلِ نفرتین سمجھنا ہے۔

بڑی باتیں تو بڑی باتیں، ایک سچے صاحبِ ایمان کے اندر بیٹھا ہوا خضیہ نگہدار و پاسبان تو اسے اس کی اجازت بھی نہیں دیتا کہ وہ لوگوں کے سامنے محو کے گنزرگاہ میں کوئی روڑے لگے یا کوئی گندگی پھینکے، جائی سے تو پورا منہ کسول دے، ڈکارے تو کھٹے منہ کے ساتھ "لاؤ، کر" پھینک یا کھانسی آئے تو منہ پر رومال یا ہاتھ تک نہ رکھے، کسی بھی ناگوار حرکت پر قریب کے متاثرین سے معذرت تک نہ کرے، کھانا کھائے تو ہاتھ دھوئے یا بسم اللہ پڑھنے سے بے نیاز نہ رہے، کوئی احسان کرے تو شکریہ تک ادا نہ کر سکے، غرض کہ زندگی کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے تمام چھوٹے اور بڑے معاملات میں اسے ایمانی شعور اور علمِ کتاب و سنت (جس کا بقایا ضرورت حاصل کرنا لازم ہے) کے مطابق ایک خاص طرزِ عمل کی پابندی کرنی ہے۔ اور اس کی برعکس صورتوں سے اجتناب کرنا ہے۔

یہ سارا کچھ کسی خارجی دباؤ سے نہیں ہو سکتا، اس کے لیے داخلی دباؤ ہی کا رآمد ہے۔ صرف ایمانی شعور یا شعوری ایمان کا دباؤ۔ دوسرے لفظوں میں اسلامی رویہ رضا کا راندہ رویہ ہے، یعنی اپنے آپ پر خود عاید کردہ دینی ضابطے اور پابندیاں — اور پھر ان کو دوچارہ دینی نہیں، سال دو سال نہیں، ساری عمر ضیانا حالات کی گردشیں کچھ بھی ہو کہیں، ضروریات کیسی کیسی

پیدا ہوتی رہیں، ماحول کیا کیا دباؤ ڈالتا رہے، اکثریت کی روش کسی کیسی رعبتیں اور ترغیبتیں پیدا کرے، اس سارے سیلاب مزاحمت کی تند و تیز موجوں کے سامنے ایک مومن صرف مضائقہ الہی اور جزائے اخروی کے لیے مضبوطی سے کھڑا رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص سالہا سال کھڑا رہے لیکن ایک بار خود اس کی دلت چلتی کی وجہ سے اس کے قدم اکھڑ گئے اور مخافتانہ حالات کے دھارے میں بہ نکلا تو اس نے انتوں سے حاصل کردہ کئی پل میں ضائع کر دی یعنی کساری عمر بخیر و خوبی گزار کر موت سے کچھ ہی پہلے نہ ہلکا گیا تو کارناموں کا سارا اکاؤنٹ ختم ہو گیا۔ خدا ہر صاحب ایمان کو ایسے خسران سے بچائے۔

خسران سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی باقاعدگی سے اپنا احتساب خود کرتا رہے۔ ہر ناز کے بعد اور ہر دن کو ختم کرنے پر۔ وہ یہ دیکھے کہ کسی ادنیٰ رفتار سے بھی عقاید میں، عبادات میں، مقاصد میں، اخلاق میں، تحریکی جدوجہد میں، فریضہ مع و طاعت میں، دعوت حق کے پھیلانے میں پسپائی تو نہیں ہو رہی؟ خرد و یا اور شہرت طلبی اور مفاد پسندی کی منحوس پرچیاں تو ذہن پر نہیں پڑ رہیں؟

خرابی جب آتی ہے تو چوروں کی طرح دم سادھے ہمارے حرمِ قیات میں داخل ہوتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ بغیر محسوس طور پر اپنا زہر پھیلاتی ہے۔ آدمی اپنے نفس اور ماحول کے دباؤ سے بعض امور میں ہلکی ہلکی تاویں کرتا ہے اور اخرا فی طرز اختیار کرنے کے لیے خاصے دلائل جمع کرتا ہے تاکہ اپنے ضمیر کا مقابلہ کر سکے۔ تاویلوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اصول و حدود اور مقاصد و غایات اور اخلاق شعائر کی جو لکیری کتاب و سنت کی روشنی میں بہت سوچ سمجھ کر لگائی تھیں اور جن کی سالہا سال تک پاسداری کی ہے انہیں ذرا سا آگے پیچھے کیا جاسکے۔ بس ایک دفعہ اگر کسی گوشے میں یہ عمل کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر دوسرے گوشوں میں بھی ایسا ہونے لگتا ہے۔ پہلے اگر پسپائی یا انحراف کا عمل اپنچ کے دسویں حصہ تک محدود تھا تو کسی دوسرے مرحلے میں پورے اپنچ کا فرق پڑ جاتا ہے اور بعد ازاں کسی اور موقع پر فٹ بھر کا، اور آگے چل کر میل بھر کا۔

تاریخ میں انسانی کردار کے لیے سنتہ اللہ ہی ہے کہ جو مختور اس آگے بڑھنے کے لیے
 زور لگاتا ہے، اسے زیادہ پیش قدمی کے لیے حالات مہیا کیے جاتے ہیں، اسی طرح جو قدم کو
 پیچھے ہٹاتا ہے اس کو مزید پیچھے ہٹانے والے حالات پیش آتے ہیں۔ (فولہ ما قولی)
 اس خطرے سے تحفظ صرف احتساب میں ہے۔ احتساب کرتے ہوئے ہمیشہ اپنے
 اولین طے کردہ خطوط و حدود کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے اور پھر دیکھنا چاہیے کہ ان خطوط
 حدود میں کیا تبدیلی کی گئی۔ یوں بھی سوچا جاسکتا ہے کہ کل تک کسی معاملے کے التزام یا کس غلط
 چیز سے اجتناب کے بارے میں ایک شخص ریاکارا گروہ، کہاں قدم جاتے ہوئے تھا اور
 آج کہاں ہے!

سامنے رمضان کا مہینہ ہے جو ماہ صبر و تقویٰ ہونے کے علاوہ احتساب کا بھی خاص مہینہ ہے
 روزے کی حالت میں، نمازوں میں، تراویح میں، سحری کے وقت، زیادہ مبارک گھڑیاں ایسی
 نصیب ہو سکتی ہیں کہ ہم میں سے ہر شخص اپنا ایمانی احتساب کرے کہ رضا کارانہ طور پر چین و آرام
 کو اٹھایا تھا ان میں کوئی فرق تو نہیں آگیا؟ اور یہ فرق محسوس ہو تو خدا سے مدد کی درخواست کے
 سامنے اپنے ایمانی مرتبے کو بحال کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسی پر تحریک اقامت دین کی کامیابی
 کا انحصار ہے۔

ایک ضروری تصحیح

مجھے سخت افسوس ہے کہ سابق شمارے میں ایک آیت قرآنی صحیح درج نہیں ہوئی، اب
 اس کی تصحیح کر لیں:

لَکِیْلًا تَأْسُوْا عَلٰی مَا فَاٰتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا عَلٰی مَا اٰتَکُمْ۔

(ن۔ ص ۱)